BA Part-I
Sub: اردو

# واردات

سوال ۱: افسانہ نگاری کے فن سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے یا
مختصر افسانوں کی خصوصیات بیان کیجئے۔

جواب: اردو ادب میں افسانہ انگریزی ادب کے حوالے سے آیا ہے۔ انگریزی ادب میں افسانہ کو فکشن کہا جاتا ہے۔ جو کہانی کے تمام اوصاف کے وسیع تر مفہوم میں بولا جاتا ہے۔ افسانہ ظاہری طور پر ایک کہانی ہے لیکن باطنی طور پر زندگی کی تفسیر ہے۔ افسانہ میں زندگی کا ایک ایسا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جس پر حقیقت کا دھوکہ ہوتا ہے۔ یہ زندگی کا ایک ایسا نقشہ ہے جس میں تعبیر بھی ہے اور تفسیر بھی ہے۔ افسانہ مختلف نثری اصناف کی ایک مجموعی اور فنی شکل ہے۔ اس میں ہر طرح کے فنون لطیفہ کا امتزاج پایا جاتا ہے اس کو اردو نثر میں مختصر کہانی یا مختصر افسانہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ افسانہ اردو نثر کی ایسی کہانوی شکل ہے جس کو ہم ایک نشست میں پڑھ سکتے ہیں۔ جس میں فنی اظہار سے اختصار اور سادگی کے علاوہ اتحاد کردار، اتحاد زمان و مکان اور اتحاد اثر بھی پورے طور پر موجود رہتا ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ 1947 میں ہمارا ملک آزاد ہوا۔ یہ آزادی اہل وطن کے لئے رحمت کے ساتھ ایک بڑی زحمت بھی تھی۔ ایسا اس لئے کہ ملک کی آزادی کے ساتھ ملک کی تقسیم بھی عمل میں آئی اور پاکستان کے نام سے ایک نیا جغرافیائی خطہ وجود میں آیا۔ ملک کی اس تقسیم سے طرح طرح کے سیاسی اقتصادی اور سماجی مسائل پیدا ہوئے۔ آبادی کے تبادلے کے موضوع پر بڑے بڑے انقلابات اور دردناک واقعات رونما ہوئے۔ خونریزی کی وجہ سے اس ملک میں ایسی افراتفری پھیلی کہ دونوں ملکوں کے سرحدی علاقوں میں خوف، انارکی اور بے راہیت کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں ہمارے حساس فنکاروں نے اسی موضوع کو گرفت میں لے کر افسانے لکھنا شروع کئے۔ جو اس دور کی سیاسی اور سماجی حالات کی سچی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس دور میں لکھے گئے افسانے اس دور کے نمائندہ افسانے ہیں۔ جیسے کرشن چندر کے افسانے "ہم وحشی ہیں" اور "پیشاور ایکسپریس"، خواجہ احمد عباس کا افسانہ "سردار جی"، راجندر سنگھ بیدی کا افسانہ "لاجونتی"، رام لعل کا افسانہ "نئی دھرتی پرانے گیت" وغیرہ قابل ذکر افسانے ہیں۔ جو تقسیم کے نتیجے میں فسادات اور ہجرت کے المیہ کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ اس دور میں کچھ خواتین افسانہ نگار بھی ابھری ہیں۔ جن میں عصمت چغتائی، واجدہ تبسم، جیلانی بانو اور خدیجہ مستور خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اردو افسانے کی ارتقائی تاریخ میں یہ دور ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔

اردو افسانے کا ایک نیا دور شروع آزادی کے بعد شروع ہوا۔ اس دور میں افسانے کے عناصر ترکیبی سے انحراف کا اقدام کیا گیا۔ بقول جوگندر پال سنگھ "کہانی وہی کارگر ہوتی ہے جو اپنے بیج سے اُگ کر کوئی شکل اختیار کر لیتی ہے۔"

Scanned by CamScanner

BA Part-2
Sub

# واردات

اردو افسانے کا ارتقائی سفر جاری ہے۔ پیکنی روایتی افسانوں کی زبان اب رخصت ہو چکی ہے۔ قرۃ العین حیدر وغیرہ جدید دور کی ایسی افسانہ نگار ہیں۔ جو اپنے افسانوں میں شعور کی زبان میں جادو جگاتی ہیں۔ اب افسانے کی تکنیک میں کئی تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ آج اردو افسانہ اپنی ارتقاء کے کئی مراحل طے کرنے کے بعد پھر اپنی حقیقت روایت کی طرف لوٹ رہا ہے۔

سوال نمبر ۲:- منشی پریم چند سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے؟

جواب:- تاریخ پیدائش 1880 ہے۔ باپ کا نام منشی عجائب لال۔ جائے سکونت موضع مڑوا لمہی متصل پانڈے پور بنارس۔ ابتدا آٹھ سال تک فارسی پڑھی۔ پھر انگریزی شروع کی۔ بنارس کے کالجیٹ اسکول سے انٹرنس پاس کی۔ والد کا انتقال پندرہ سال کی عمر میں ہو گیا اور والدہ ساتویں سال گذر چکی تھیں۔ پھر تعلیم کے ضمن میں ملازمت کی۔ 1901 سے لٹریری زندگی شروع کی۔"

ان کے والد ڈاک خانے میں ملازم تھے۔ سات سال کی عمر والدہ کا انتقال ہوا اور باپ نے دوسری شادی کی۔ بچپن تکلیف دہ گذرا۔ 1896 میں سوتیلی ماں کی ایماء پر شادی ہوئی۔ [illegible] میں میٹرک پاس کیا۔ 1902 میں ٹیچرس ٹریننگ کالج الہ آباد میں جونیئر کلاس میں داخلہ لیا۔ 1904 میں جونیئر کلاس کا امتحان پاس کر کے جونیئر سرٹیفکیٹ لی۔ اسی سال الہ آباد یونیورسٹی سے سینئر ورنیکولر کا امتحان پاس کیا۔ کئی دفعہ حساب میں فیل ہونے کے بعد 1916 میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ 1919 میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے۔ [illegible] پاس کیا۔

1899 میں میٹرک کرنے کے بعد عیسائی مشنری اسکول میں بحیثیت اسسٹنٹ ماسٹر چنار پور میں پڑھانا شروع کیا۔ 1900 میں گورنمنٹ ڈسٹرکٹ ماڈل اسکول بہرائچ سے سرکاری ملازمت شروع کی۔ 1901 میں ادبی زندگی شروع کی شروعات ایک ناول "ایک ماموں کا رومان" لکھنے سے کیا اور ایک مضمون "برتاپ چندر" لکھا۔ 1905 میں گورنمنٹ ہائی اسکول پرتاپ گڑھ میں تبادلہ ہوا 1907 میں کانپور تبادلہ ہوا۔ اس زمانے میں بال گنگادھر تلک کی تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور گوکھلے سے متاثر ہوئے 1906 میں منشی دیوی پرشاد کی بال بیوہ بیٹی شیورانی سے شادی کی۔ 1909 میں مہوبا ضلع ہمیرپور میں ڈسٹرکٹ بورڈ سب انسپکٹر بنے۔ 1910 تک نواب رائے اور نواب رائے کے بعد پریم چند نام سے لکھا۔

1910 میں رسالہ "زمانہ" کانپور میں "بڑے گھر کی بیٹی" افسانہ لکھا۔ 1914 میں گورنمنٹ ہائی اسکول بستی تبادلہ ہوا۔ 1916 میں بستی سے گورنمنٹ نارمل اسکول گورکھپور تبادلہ ہوا۔ 1921 میں سرکاری نوکری سے استعفیٰ دے دیا۔ کچھ دنوں تک ہندی ماہنامہ "مریادا" کی ادارت کی۔ 1922 میں بنارس آگئے اور رسالہ "آج" کے ایڈیٹر بنے۔ پھر کانپور میں مارواڑی اسکول میں کچھ دن رہے۔ پھر کاشی ودیاپیٹھ میں ملازمت کی اور سرسوتی پریس قائم کیا۔ گھاٹا ہوا تھا۔ 1927 میں منشی نول کشور کے پرچے "مادھوری" کی ادارت کی۔ پھر اپنا پرچہ "ہنس" ہندی جاری کیا۔ 1933 میں نول کشور کی ملازمت

Scanned by CamScanner

Paper-3

Sub

# واردات

چھوڑ دی۔ بنارس آ گئے۔ پندرہ روزہ "جاگرن" کو ہفتہ روزہ بنایا۔ "ہنس" کو 1935 تک مرتب کرتے رہے۔ 1935 میں اجنتا سینے ٹون کمپنی میں ڈائیلاگ اور اسکرپٹ رائٹر کی ملازمت شروع کی۔ اسی سال سیواسدن پر مبنی فلم "رنگیلا راجپوت" بنی۔ اسی سال "The Mill" لکھی۔ جو "Awakening" کی۔ فلمی دنیا سے مایوس ہو کر واپس بنارس آ گئے۔ 10 اپریل 1936 میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے پہلے اجلاس کی صدارت کی۔

تصانیف: اولین مطبوعہ تحریر: ناول "اسرار معابد" "آوازِ خلق" بنارس میں 8 اکتوبر 1903 سے فروری 1905 تک چھپا۔
پہلا مطبوعہ افسانہ "عشق دنیا اور حب وطن" اپریل 1908۔ "سوزِ وطن" 1908، پانچ افسانے "پریم پچیسی" دو جلد، پہلی جلد۔ بارہ افسانے، دوسری جلد۔ تیرہ افسانے "پریم بتیسی" 1920 دو جلد، بتیس افسانے "خاک پروانہ" 1928 سولہ افسانے "خواب و خیال" 1928 چودہ افسانے "فردوسِ خیال" 1929 بارہ افسانے "پریم چالیسی" 1930 چالیس افسانے "آخری تحفہ" 1934 تیرہ افسانے "زادِ راہ" 1936 پندرہ افسانے "دودھ کی قیمت" 1937 نو افسانے "واردات" 1937 تیرہ افسانے اور "نجات" 1936 اٹھارہ افسانے۔

سوال نمبر ۳: افسانہ "روشنی" کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ یا

افسانہ "روشنی" میں پریم چند نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس کی وضاحت کیجیے؟

جواب: "روشنی" افسانہ پریم چند کے افسانوی مجموعہ "واردات" میں شامل پانچویں کہانی ہے۔ اس مجموعے میں کل تیرہ کہانیاں ہیں۔ یہ مجموعہ پریم چند کی موت کے دوسرے سال یعنی 1937 میں مکتبہ جامعہ دہلی کے ذریعے طبع ہوا۔ جیسا کہ ہم سبھی جانتے ہیں کہ پریم چند کی کہانیوں کا ہمیشہ ایک خاص مقصد رہا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے ہمیشہ لوگوں پر زیادہ غور و فکر کیا ہے۔ سماج کی نچلی کلاس ہندوستانیوں کے دکھ درد آدی کی کہانیوں کو بڑے ہی سلیقے اور ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ انگریزی کا اپنا ڈھنگ ہے۔ انہوں نے دیہات پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

مذکورہ کہانی "روشنی" ایک ایسی کہانی ہے جس کے ذریعے پریم چند نے ہندوستانی تہذیب کو ایک غریب بیوہ عورت کے ذریعے بڑے ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا اور صبر و تحمل کا بہترین درس دیا ہے۔

اس کہانی میں دکھایا ہے کہ ایک آدمی جس نے اس زمانے میں موجودہ I.A.S برطانیہ سے پاس کر کے ہندوستان آتا ہے۔ اسے ایک پہاڑی علاقے کا انچارج بنایا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کے رنگ ڈھنگ بہت کچھ انگریزوں جیسے تھے۔ ایک روز وہ تھانے کے معائنے میں نکلا تو جنگل پار جانے کے سلسلے میں خود ہوا کے جھونکے میں پڑ جاتا ہے۔ ریت میں راستہ بھی ڈھونڈ نہیں پاتا ہے ایسے میں اسے پانی کی آواز ملتی ہے۔ تیز رفتار آگے بڑھتا ہے ایک عورت ہوتی ہے جس سے وہ جنگل پار کا پتہ پوچھتا ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس کے ساتھ چلیے تیز آندھی میں اس عورت کا ساتھ چھوٹ جاتا ہے۔ اور آندھی کا زور رکتا ہے تو وہ اس عورت کے گھر میں پہنچتا ہے جو اسے گود لے چلی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شوہر مر چکا ہے۔ اس کے دو بچے ہیں وہ گھاس چھیل کر اور بیچ کر اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرتی ہے۔ پہلے وہ خود شوہر کے کاروبار میں بیچ

Con Part-I
8 July

# واردات

جل ہوتی ہے۔ افسر اس کو پالنے اور پیسے دینا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ وہ غریب ہے مگر بھکارن نہیں۔ اسے پیسے نہیں لگی۔ اس
سے افسر کافی اثر پذیر ہوتا ہے اور گھر لوٹ کر چل دیتا ہے۔ راستے میں بچوں کو گرتے دیکھتا ہے۔ الجھن وہ دیکھتا ہے کہ ایک
بڑھیا گڑھے میں ڈوب رہا ہے۔ وہ اس کو بچا کر سڑک میں لاتا ہے۔ الجھن میں اس کا سارا جسم زخمی ہو جاتا ہے
لیکن وہ خوش ہوتا ہے کہ اس نے ایک انسان کی زندگی بچائی ہے۔ یہ سبق اسے غریب عورت کے کردار سے ملا جس کا اس کو
اسے خود احساس ہے۔ تبھی تو وہ سوچتا ہے کہ "اس دیہاتی عورت نے مجھے وہ تعلیم دی جو فلسفہ اور سائنس اور مطبوعات کے
دفتروں سے بھی نہ حاصل ہوئی تھی"۔
"جبکہ وہ پہلے سوچتا تھا کہ "مغربی دنیا کا مشعل ہدایت ہے۔"
اس کی یہ سوچ تھی کہ "مغرب نے دنیا کو ایک نیا پیغام عمل عطا کیا ہے۔ جبکہ یہاں "سنہ برنہ گوشہ نشین قوموں کی
عظمت کے راگ الاپے جاتے ہیں"۔
اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک دیہاتی عورت نے اس کو ساری دنیا کی تعلیم سے بڑھ کر
تعلیم دی۔ جو قابل تعریف ہے۔ لیکن آج بھی وہ کسی کو ڈوبتے دیکھتا تو سوائے سپاہی کو بلانے کے اور کچھ
نہیں کرتا۔ جبکہ وہ اپنی جان پر کھیل کر بڑھیا کو بچاتا ہے اور خود کو اس کا خادم گردانتا ہے۔

سوال نمبر: پریم چند کی افسانہ نگاری پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔

جواب: پریم چند کی افسانہ نگاری پر روشنی ڈالتے ہوئے سید احتشام حسین رقم طراز ہیں: "پریم چند ہی کا نام تھا جنہوں نے
محنت کش عوام کو اپنے افسانے کا ہیرو بنایا اور اس دنیا کی تصویر کھینچی جو سب سے زیادہ جاندار اور سب سے زیادہ دلکشی کا مظہر تھی"۔
بقول محمد اکرم ایم۔اے۔ کاظمی: "پریم چند اردو کے سب سے پہلے افسانہ نگار ہیں جو دیہاتی ماحول میں ان کی پرورش ہوئی ہر
دلفت ہوتی [illegible] کے بیچ ان کی زندگی گزری۔ ان لوگوں کی سادگی کا نقش ان کے ذہن میں گہرا ہے۔ یہی وہ زندگی ہے ان کی
شخصیت کا خمیر تیار ہوا۔ ان کی ذہنی وجذباتی وابستگی ہمیشہ دیہات سے رہی۔ یہی وابستگی ان کے افسانوں میں بھی جھلکتی ہے"۔
ان کے افسانوں پر غور کرتے ہوئے رشید احمد صدیقی نے کہا ہے: "پریم چند پہلے شخص ہیں جنہوں نے حسن وعشق کی محل سراؤں
سے نکال کر گاؤں کے چوپال اور جھونپڑوں تک پہنچایا"۔
ادبی زندگی کی شروعات مختلف رسالہ "آواز خلق" میں قسط وار ناول "اسرار معابد" سے
ہوئی۔ 1903 سے 1905 تک۔ 1910 میں "بڑے گھر کی بیٹی" شائع ہوا جس میں افادیت کے نئے انداز ملتے ہیں۔ اسی سے
حقیقت نگاری کی شروعات ہوتی ہے۔
ان کے افسانوی شروعات کا زمانہ وہ تھا جبکہ آریہ سماج تحریک
زوروں پر تھی۔ انگریزوں کی غلامی کا زمانہ تھا۔ لوگ آزادی چاہتے تھے۔ "سوزِ وطن"
اس خیال کا ترجمان ہے۔ انگریز سرکار نے [illegible] کو جتنی جلا کے اس قوت کی ضبطی میں لا کر [illegible]